سورۃ البقرۃ میں یہود و نصاریٰ سے متعلق مضامین: تفہیم القرآن میں مولانا مودودی کے منہج اور تعبیرات کا تحقیقی جائزہ

Judeo-Christian Discussions in Surah Al-Baqarah: A Research Review of Maulana Maududi's Methodology and Interpretations in Tafheem Al-Quran

Muhammad Anas Rasheed
PhD Scholar, Department of Islamic Studies,
The Islamia University of Bahawalpur
Email: anasrasheed1990@gmail.com
Dr Sheeraz Ahmad
Lecturer, Department of Islamic Studies,
The Islamia University of Bahawalpur (RYK Campus)
Email: sheraz.ahmad@iub.edu.pk

Abstract

This research critically examines the depiction and discourse of Judeo-Christian elements in Surah Al-Baqarah through the interpretive lens of Tafheem-ul-Quran authored by Syed Abul A‘la Maududi. The study investigates how the Qur’anic narrative engages with Jewish and Christian beliefs, practices, deviations, and historical attitudes, and how these are interpreted and contextualized by Maududi in his exegetical framework. The objective is to analyze the thematic, theological, and socio-political dimensions of the Judeo-Christian discourse in Surah Al-Baqarah and assess Maududi’s hermeneutic methodology, language, and ideological orientation in addressing them.

The study begins with a conceptual framework on interfaith references in the Qur'an, followed by a detailed exegesis of the relevant verses (particularly verses 40–141), where Jews and Christians are directly or indirectly addressed. The research identifies how Maududi critiques the theological distortions, scriptural alterations, and moral failings attributed to Bani Israel, while also emphasizing the Qur’an’s call to monotheism, obedience, and reform. Furthermore, the research analyzes Maududi’s socio-political undertones, especially his critique of Western secularism and Zionism, which influence his interpretation of Judeo-Christian themes. Methodologically, the study is qualitative and analytical, drawing from classical and modern tafsir literature for comparison, and evaluates Maududi’s contribution in constructing a politically aware and

ideologically coherent tafsir narrative. The findings suggest that Tafheem-ul-Quran not only provides a theological critique of Judeo-Christian traditions but also reflects Maududi's broader Islamic revivalist vision.
This research contributes to Qur'anic studies by offering a focused exegetical case study, and to interfaith discourse by contextualizing Qur'anic polemics through a modern interpretive lens. It also adds to the scholarship on Maududi by highlighting his role in shaping contemporary Muslim understanding of non-Muslim Abrahamic faiths.
Keywords: Surah Al-Baqarah, Judeo-Christianity, Tafheem-ul-Quran, Syed Abul A'la Maududi, Qur'anic interpretation, Bani Israel, Interfaith discourse, Islamic theology, Quranic polemics, Scriptural distortion

سید ابوالاعلیٰ مودودی کی پیدائش ایک ایسے زمانے میں ہوئی جسے بجا طور پر مسلمانوں کا دور انحطاط کہا جا سکتا ہے۔ یہ وہ دور تھا جب اسلام دنیا کے کسی کونے میں ایک مکمل نظام کے طور پر، اپنی عملی صورت میں رائج نہیں تھا۔ مسلمان دنیا کے طول و عرض میں اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے تھے۔ خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ ہندوستان کے حالات باقی دنیا کی نسبت زیادہ غیر یقینی تھے۔ یہ علاقہ صوفیہ کرام، مسلمان تجار اور جنگی مہمات کے باعث اسلامی تعلیمات سے متاثر اور منور ضرور ہوا لیکن یہ ساری کوششیں غیر منظم تھیں۔ سرکاری سطح پر مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کا کوئی معقول بندوبست نہ تھا۔ سلطنت مغلیہ کے دور عروج میں بھی ہندوستان میں عملی طور پر اسلام لوگوں کی روزمرہ زندگی کا حصہ نہ بن سکا۔ یہاں مقامی طور پر معاشرہ کثیر المذاہب تھا۔ ہندومت گنجلک افکار کا مجموعہ، غیر عملی اور دیومالائی مذہب تھا۔ مقامی رسوم و رواج میں اسلامی تعلیمات، ایرانی تصوف، یونانی فلسفہ، بدھ مت، مسیحیت اور بہت سے دیگر علاقائی مذاہب کے اثرات شامل ہو چکے تھے۔ حکمرانوں کی عدم دل چسپی، مقامی رسوم و رواج کے نفوذ اور اکبر کے دین الٰہی کے اثرات کی وجہ سے اسلامی تعلیمات میں بھی بہت سے غیر اسلامی افکار شامل ہو گئے تھے۔ عوام میں دین کا حقیقی شعور کم ہو چکا تھا۔ اسلامی ریاست کی عدم موجودگی اور قوت نافذہ کے نہ ہونے کے باعث اسلام برہمنیت اور پاپائیت کی طرح کچھ لوگوں کی میراث اور چند مذہبی رسوم کے مجموعے کی صورت اختیار کر چکا تھا۔ ان حالات میں ایک ایسے مدبر، مفکر اور لیڈر کی ضرورت تھی جو اسلام کی آفاقی اور ابدی تعلیمات کو عہد حاضر کی ضروریات کے مطابق موثر اسلوب میں پیش کرے اور امت مسلمہ کو خالص کتاب و سنت کی بنیاد پر جمع کرتے ہوئے، ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں انقلاب برپا کرنے کے لیے عملی کوشش بھی کرے۔ اللہ تعالیٰ نے سید مودودی (1903ء-1979ء) کو اس کام کے لیے غیر معمولی صلاحیتیں دے کر بھیجا۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے تقابل ادیان کے حوالے سے بھی بہت کام کیا ہے لیکن آج تک سورۃ البقرہ کے حوالے یہودیت کو زیر

بحث نہیں لایا گیا۔ انھوں نے مغرب کی طرف سے اٹھنے والے اسلام پر اعتراضات کا بھرپور جواب دیا اس لیے میں نے ضرورت سمجھی کہ عالم اسلام کے اسکالر سید ابوالاعلی مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن روشنی میں صرف سورۃ البقرۃ میں یہود و نصاریٰ پر ابحاث کا تحقیقی جائزہ پیش کیا ہے۔

تفہیم القرآن:

سید مودودی کا عظیم الشان کارنامہ "تفہیم القرآن" کی صورت میں قرآن مجید کی تشریح و توضیح ہے۔ آپ نے اس کا آغاز درس قرآن کی صورت میں 1938ء میں کر دیا تھا۔ جبکہ فروری 1942ء میں باقاعدہ تفسیر لکھنے کا آغاز کیا۔(1) تیس سال کی شبانہ روز مشقت کے بعد 1972ء میں یہ تفسیر مکمل ہوئی۔

سید مودودی کی تحریر کردہ تفسیر قرآن، تفہیم القرآن، کے نام سے موسوم ہے۔ اس کی چھ جلدیں ہیں۔ اس کی اشاعت کا آغاز 1951ء میں ہوا۔ اب تک اس کے اکیس ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔

تفسیر کا منہج و اسلوب

یہ تفسیر سلیس اردو زبان مین تحریر کی گئی ہے۔ متن قرآن مجید کے ساتھ اردو ترجمہ درج کیا گیا ہے اور حاشیے میں آیات کی تفسیر کی گئی ہے۔ ہر سورۃ کے آغاز میں دیباچہ درج کیا گیا ہے جس میں زمانہ نزول، وجہ تسمیہ اور پس منظر بیان کیے گئے ہیں۔ قرآن فہمی کو سہل بنانے کی طرف خاص توجہ دی گئی ہے۔ آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے جابجا احادیث رسول ﷺ اقوال صحابہ اور اقوال ائمہ و مفسرین کے حوالے دیے گئے ہیں۔

نقل روایات میں احتیاط

تفہیم القرآن کے نمایاں خصائص میں سے ایک یہ ہے کہ مولف نے نقل روایات میں حد درجہ احتیاط سے کام لیا ہے، اسرائیلیات اور موضوع روایات جو دیگر مفسرین نے نقل کی ہیں ان کو چھوڑ دیا ہے۔

بقول ڈاکٹر خالد علوی

ہمارے تفسیری ادب میں ضعیف اور اسرائیلی روایات کو اس طرح شامل کیا گیا ہے کہ کوئی جلیل القدر تفسیر بھی ان کے اثر سے نہیں بچ سکی۔ ہمارے محدثین نے روایات و آثار کے ضمن میں چھان بین کے عمدہ معیارات قائم کیے ہیں۔ ان کو سامنے رکھتے ہوئے کسی بھی روایت کی حقیقت کی متعین کیا جاسکتا ہے۔ تنقید و تفتیش اور جرح و تعدیل کے قواعد مرتب ہوئے۔ ضعفاء و متر کین پر کتابیں لکھی گئی ہیں اور ثقات و عادل رواۃ کا تعین کیا گیا۔ بد قسمتی سے قبول روایات میں احکام و فضائل کی تفریق کی گئی اور فضائل اعمال میں ضعیف احادیث کو قبول کیا گیا۔ سید مودودی کے ہاں احادیث آثار و روایات کو موقع بہ موقع استعمال کیا گیا ہے لیکن کہی بھی حقائق قرآنی کو

نظر انداز نہیں ہونے دیا۔ سید مودودی نے احادیث کے قبول ورد میں سلف صالحین ہی کے قواعد وضوابط کو بنیاد بنایا ہے اور کوئی روایت اگر قرآن کی حقانیت سے ٹکراتی ہے تو اسے بلا تامل رد کیا ہے۔ یہ مسلک مسلک تحقیق ہے، مسلک انکار نہیں جیسا کہ بعض غلو کرنے والے حضرات نے کہا ہے۔2

روایات کی تخریج

سید مودودی کی یہ انفرادیت ہے کہ وہ جب بھی کوئی حدیث نقل کرتے ہیں اس کا حوالہ بھی دیتے تھے یہی اہتمام تفہیم القرآن میں بھی کیا گیا ہے کہیں تو نام کتاب، باب کا نام اور راوی کا نام بھی درج کرتے ہیں اور کہیں صرف روای اور کتاب کا نام درج کرتے ہیں۔ سید مودودی کے دیے گئے حوالے جات کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ گہری نظر سے کتب احادیث کے مطالعے کے بعد کسی موضوع پر موجودہ احادیث کو یکجا کرتے ہیں۔ مثلاً مسیح موعود کی حقیقت کے عنوان سے ضمیمہ سورۃ الاحزاب میں احادیث درباب نزول عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے تحت اکیس احادیث جو آپ بیان کی ہیں۔ ان کے مکمل حوالہ جات درج کیے ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔

یہ جملہ 21 روایات ہیں جو صحابیوں کے ساتھ حدیث کی معتبر ترین کتابوں میں وارد ہوئی ہیں۔ اگرچہ ان کے علاوہ دوسری بہت سی احادیث میں بھی یہ ذکر آیا ہے لیکن طول کلام سے بچنے کے لیے ہم نے ان سب کو نقل نہیں کیا ہے بلکہ صرف وہ روایتیں لے لی ہیں جو سند کے لحاظ سے قوی تر ہیں۔3

استدلال بالحدیث

تفہیم القرآن میں اکثر مقامات پر استدلال بالحدیث کیا گیا ہے۔ تفسیر القرآن بالقرآن کی تائید کے طور پر کسی روایت کی تائید میں، مسائل کے بیان میں مختلف آرا میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کے تحت احادیث بیان کی گئی ہے۔ یوں استدلال بالحدیث میں سید مودودی کے تحقیقی انداز کی نشاندہی ان ہوتی ہیں۔ مثلاً سورۃ سبا کی آیت نمبر 13 میں لفظ تماثیل، (تصویریں) کی تفسیر کے ضمن میں سید مودودی نے عصر حاضر میں مصوری اور ریت تراشی کو جائز خیال کرنے والوں کے اس آیت مبارکہ کو کہ بطور استدلال لینے کے غلط طرز عمل کا رد کیا ہے۔ ان مقلدین مغرب کا یہ استدلال دو روجوہ سے غلط ہے۔ اول یہ کہ لفظ تماثیل جو قرآن مجید میں استعمال کیا گیا، انسانی اور حیوانی تصاویر کے معنی میں صریح نہیں ہے، بلکہ اس کا اطلاق غیر جاندار اشیا کی تصویروں پر بھی ہوتا ہے۔ اس لیے محض اس لفظ کے سہارے یہ حکم نہیں لگایا جاسکتا کہ قرآن کی رو سے انسانی اور حیوانی تصاویر حلال ہیں۔ دوسرے یہ کہ نہایت کثیر التعداد اور قومی الاسناد اور متواتر المعنی احادیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے ذی روح اشیا کیم تصویریں بنانے ب اور رکھنے کو قطعی حرام قرار دیا ہے۔4

گائے اور بیل کی پرستش کا مرض

موضوع کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہویت میں بہت سی بیماریاں نظر آتی ہیں مگر ان میں سے ایک نمایاں جس کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ میں بیان کیا ہے وہ مذکور ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَإِذْ وَاعَدْنَا مُوسَى------------------------------لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۔"(5)

ترجمہ: "یاد کرو، جب ہم نے موسیٰ کو چالیس شبانہ روز کی قرارداد پر بلایا، تو اس کے پیچھے تم بچھڑے کو اپنا معبود بنا بیٹھے۔ اُس وقت تم نے بڑی زیادتی کی تھی مگر اس پر بھی ہم نے تمہیں معاف کر دیا کہ شاید اب تم شکر گزار بنو۔ یاد کرو کہ (ٹھیک اُس وقت جب تم یہ ظلم کر رہے تھے) ہم نے موسیٰؑ کو کتاب اور فرقان عطا کی تا کہ تم اس کے ذریعے سے سیدھا راستہ پاسکو۔ یاد کرو جب موسیٰؑ (یہ نعمت لیے ہوئے پلٹا، تو اُس) نے اپنی قوم سے کہا کہ "لوگو تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنے اوپر سخت ظلم کیا، لہٰذا تم لوگ اپنے خالق کے حضور توبہ کرو اور اپنی جانوں کو ہلاک کرو، اسی میں تمہاری خالق کے نزدیک تمہاری بہتری ہے۔" اُس وقت تمہارے خالق نے تمہاری توبہ قبول کر۔لی کہ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے، یاد کرو جب تم نے موسیٰؑ سے کہا تھا کہ ہم تمہارے کہنے کا ہر گز یقین نہ کریں گے، جب تک کہ اپنی آنکھوں سے علانیہ خدا کو (تم سے کلام کرتے) نہ دیکھ لیں۔ اس وقت تمہارے دیکھتے دیکھتے ایک زبردست کڑکے نے تم کو آلیا۔ تم بے جان ہو کر گر چکے تھے، مگر پھر ہم نے تم کو جِلا اُٹھایا، شاید کہ اس احسان کے بعد تم شکر گزار بن جاؤ۔"

تفہیم القرآن کی روشنی میں تشریح و توضیح

سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں کہ:

مصر سے نجات پانے کے بعد جب بنی اسرائیل جزیرہ نمائے سینا میں پہنچ گئے، تو حضرت موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے چالیس شب و روز کے لیے کوہ طور پر طلب فرمایا تا کہ وہاں اس قوم کے لیے، جو اب آزاد ہو چکی تھی، قوانین شریعت اور ملی زندگی کی ہدایت عطا کی جائیں۔

گائے اور بیل کی پرستش کا مرض بنی اسرائیل کی ہمسایہ قوم میں ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ مصر اور کنعان میں اس کا عام رواج تھا۔ (بچھڑے کی پرستش کا یہ واقعہ بائیبل کتاب خروج، باب 32 تفصیل کے ساتھ درج ہے۔)

اسلام کو موقف

مذکورہ بالا آیات میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ چالیس شبانہ روز کی قرارداد پر جب حضرت موسیٰؑ طور پر تشریف لے گئے تھے۔ تو آپ کو حکم ہوا تھا کہ اپنے ساتھ بنی اسرائیل کے ستر نمائندے سے بھی لے کر

آئیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو کتاب اور فرقان عطا کی، تو آپ نے اسے ان نمائندے کے سامنے پیش کیا۔ اس موقع پر قرآن کہتا ہے کہ ان میں سے بعض شریر کہنے لگے کہ ہم محض تمہارے بیان پر کیسے مان لیں کہ خدا تم سے ہم کلام ہوا ہے۔ اس پر اللہ کے تعالیٰ کا غضب نازل ہوا اور انہیں سزا دی گئی"۔(6)

لیکن بائیبل کہتی ہے:

"انہوں نے اسرائیل کے خدا کو دیکھا۔ اس کے پاؤں کے نیچے نیلم کے پتھر کا چبوترا سا تھا، جو آسمان کی مانند شفاف تھا۔ اور اس نے بنی اسرائیل کے شرفا پر اپنا ہاتھ بڑھایا۔ سو انہوں نے خدا کو دیکھا اور دکھایا اور پیا"۔(7)

اسی کتاب میں آگے چل کر مزید لکھا ہے کہ: جب حضرت موسیٰؑ نے خدا سے عرض کیا کہ مجھے اپنا جلال دکھادے تو اُس نے فرمایا کہ تو مجھے نہیں دیکھ سکتا"۔(8)

جزیرہ نمائے سینا میں جہاں دُھوپ سے بچنے کے لیے کوئی جائے پناہ تمہیں میسر نہ تھی ہم نے ابر سے تمہارے بچاؤ کا انتظام کیا۔ اس موقع پر خیال رہے کہ بنی اسرائیل لاکھوں کی تعداد میں مصر سے نکل کر آئے تھے اور سینا کے علاقے میں مکانات کا تو کیا ذکر، سرچھپانے کے لیے ان کے پاس خیمے تک نہ تھے۔ اُس زمانے میں اگر خدا کی طرف سے ایک مُدت تک آسمان کو اَبر آلود نہ رکھا جاتا، تو یہ قوم دُھوپ سے ہلاک ہو جاتی۔

ابھی تک تحقیق نہیں ہو سکی ہے کہ اس بستی سے مراد کونسی بستی ہے جس سلسلہ واقعات میں یہ ذکر ہو رہا ہے وہ اس زمانے سے تعلق رکھتا ہے جبکہ بنی اسرائیل ابھی جزیرہ نمائے سینا ہی میں تھے لہٰذا اغلب یہ ہے کہ یہ اسی جزیرہ نما کا کوئی شہر ہو گا۔ مگر یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد شطیم ہو، جو یریحو کے بالمقابل دریائے اُردن کے شرقی کنارے پر آباد تھا۔ بائیبل کا بیان ہے کہ اس شہر کو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ کی زندگی کے اخیر زمانے میں فتح کیا اور وہاں بڑی بدکاریاں کیں جن کے نتیجے میں خدا نے ان پر وبا بھیجی اور 24ہزار آدمی ہلاک کر دیے گئے"۔(9)

دروازے میں دخول

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ-------------------------بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ"۔(10)

ترجمہ: پھر یاد کرو جب ہم نے کہا تھا کہ "یہ بستی (جو تمہارے سامنے ہے) اس میں داخل ہو جاؤ، اس کی پیداوار، جس طرح چاہو، مزے سے کھاؤ، مگر بستی کے دروازے میں سجدہ ریز ہوتے ہوئے داخل ہونا اور کہتے جانا حِطَّۃ حِطَّۃ، ہم تمہاری خطاؤں سے درگزر کریں گے اور نیکوکاروں کو مزید فضل و کرم سے نوازیں گے۔" مگر جو بات اُن کو کہی

گئی تھی، ظالموں نے اُسے بدل کر کچھ اور کر دیا۔ آخر کار ہم نے ظلم کرنے والوں پر آسمان سے عذاب نازل کیا۔ یہ سزا تھے اُن نافرمانیوں کی، جو وہ کر رہے تھے"۔

تفہیم القرآن کی روشنی میں تشریح و توضیح

سید ابو الاعلی مودودیؒ لکھتے ہیں کہ:

حکم یہ تھا کہ جابر و ظالم فاتحوں کی طرح اکڑتے ہوئے نہ گھسنا، بلکہ خدا ترسوں کی طرح منکسرانہ شان سے داخل ہونا، جیسے حضرت محمد ﷺ فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں داخل ہوئے۔ اور حِطّۃ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ خدا سے اپنی خطاؤں کی معافی مانگتے ہوئے جانا، دوسرا یہ کہ لوٹ مار اور قتلِ عام کے بجائے بستی کے باشندوں میں درگزر اور عام معافی کا اعلان کرتے جانا"۔ ([11])

ارشاد باری تعالی ہے:

"وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَى لَنْ نَصْبِرَ-------------------وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔"([12])

ترجمہ: "یاد کرو جب تم نے کہا تھا کہ "موسیٰؑ ہم ایک ہی طرح کے کھانے پر صبر نہیں کر سکتے۔ اپنے رب سے دُعا کرو کہ ہمارے لیے زمین کی پیداوار ساگ، ترکاری، کھیرا، ککڑی، گیہوں، لہسن، پیاز، دال وغیرہ پیدا کرے تو موسیٰؑ نے کہا" کیا ایک بہتر چیز کے بجائے تم ادنی درجے کی چیزیں لینا چاہتے ہو؟ اچھا کسی شہری آبادی میں جا رہو۔ جو کچھ تم مانگتے ہو، وہاں مل جائے گا۔" آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ ذلت و خواری اور پستی و بدحالی ان پر مسلط ہو گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے۔ یہ نتیجہ تھا اس کا کہ اللہ کی آیات سے کفر کرنے لگے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرنے لگے۔ یہ نتیجہ تھا اُن کی نافرمانیوں کا اور اس بات کا کہ وہ حدودِ شرع سے نکل جاتے تھے۔ یقین جانو کہ نبی عربی کو ماننے والے ہوں یا یہودی، عیسائی ہوں یا صابی جو بھی اللہ اور روز آخر پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے اور اس کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔"

تفہیم القرآن کی روشنی میں تشریح و توضیح

سید ابو الاعلی مودودیؒ لکھتے ہیں کہ:

آیات سے کفر کرنے کی مختلف صورتیں ہیں۔ مثلاً ایک یہ کہ خدا کی بھیجی ہوئی تعلیمات میں سے جو بات اپنے خیالات یا خواہشات کے خلاف پائی، اس کو ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ دوسرے یہ کہ ایک بات کو یہ جانتے ہوئے کہ خدا نے فرمائی ہے، پوری ڈھٹائی اور سرکشی کے ساتھ اس کی خلاف ورزی کی اور حکم الٰہی کی کچھ پروا نہ کی ۔ تیسرے یہ کہ ارشاد الٰہی کے مطلب و مفہوم کو اچھی طرح جاننے اور سمجھنے کے باوجود اپنی خواہش کے مطابق

اسے بدل ڈالا۔ بنی اسرائیل نے اپنے اس جُرم کو اپنی تاریخ میں خود تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مثال کے طور پر ہم بائیبل سے چند واقعات یہاں نقل کرتے ہیں۔

(1)حضرت سلیمان ے بعد جب بنی اسرائیل کی سلطنت تقسیم ہو کر دوریاستوں (یروشلم کی دولت یہودیہ اور سامریہ کی دولت اسرائیل) میں بٹ گئی تو ان میں باہم لڑائیوں کی سلسلہ شروع ہوا اور نوبت یہاں تک آئی کہ یہودیہ کی ریاست نے اپنے ہی بھائیوں کے خلاف چمشق کی ارامی سلطنت سے مدد مانگی۔ اس پر خدا کے حکم سے حنانی نبی نے یہودیہ جے فرمانروا آسا کو سخت تنبیہ کی۔ مگر آسا نے اس تنبیہ کو قبول کرنے کے بجائے خدا کے پیغمبر جو جیل بھیج دیا"۔([13])

(2)حضرت الیاس (ایلیاElliah)علیہ السلام نے جب بعل کی پرستش پر یہودیوں کو ملامت کی اور از سرِ نو توحید کی دعوت کا صور پھونکنا شروع کیا تو سامریہ کا اسرائیلی بادشاہ اخی اب اپنی مشرک بیوی کی خاطر ہاتھ دھو کر ان کی جان کے پیچھے پڑ گیا۔ حتیٰ کہ انہیں جزیرہ نمائے سینا کے پہاڑوں میں پناہ لینی پڑی۔ اس موقع پر جو دُعا حضرت الیاسؑ نے مانگی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

"بنی اسرائیل نے تیرے عہد کو ترک کیا، تیرے نبیوں کو تلوار سے قتل کیا اور ایک ہی اکیلا بچا ہوں، سو وہ میری جان لینے کے درپے ہیں"۔([14])

(3)ایک اور نبی حضرت میکایاہ کو اسی اخی اب نے حق گوئی کے جُرم میں جیل بھیجا اور حکم دیا کہ اس شخص کو مصیبت کی روٹی کھلانا اور مصیبت کا پانی پلانا"۔([15])

(4)پھر جب یہودیہ کی ریاست میں علانیہ بُت پرستی اور بدکاری ہونے لگی اور زکریاہ نبی نے اس کے خلاف آواز بلند کی، تو شاہ یہوداہ یوآس کے حکم سے انہیں عین ہیکل سلیمانی میں "مقدس" اور "قربان گاہ" کے درمیان سنگسار کر دیا گیا"۔([16])

(5)اس کے بعد جب سامریہ کی اسرائیلی ریاست اشوریوں کے ہاتھوں ختم ہو چکی اور یروشلم کی یہودی ریاست کے سر پر تباہی کا طوفان تُلا کھڑا تھا تو "یرمیاہ" نبی اپنی قوم کے زوال پر ماتم کرنے اُٹھے اور کوچے کوچے انہوں نے پکارنا شروع کیا کہ سنبھل جاؤ، ورنہ تمہارا انجام سامریہ سے بھی بدتر ہو گا۔ مگر قوم کی طرف سے جو جواب ملا وہ یہ تھا کہ ہر طرف سے ان پر لعنت اور پھٹکار کی بارش ہوئی۔ پیٹے گئے، قید کیے گئے، رسی سے باندھ کر کیچڑ بھرے حوض میں لٹکا دیے گئے تاکہ بھوک اور پیاس سے وہیں سُوکھ سُوکھ کر مر جائیں اور ان پر الزام لگایا گیا کہ وہ قوم کے غدار ہیں۔ بیرونی دشمنوں سے ملے ہوئے ہیں"۔([17])

(6)ایک اور نبی حضرت عاموس کے متعلق لکھا ہے کہ جب انہوں نے سامریہ کی اسرائیلی ریاست کو اس کی گمرائیوں اور بدکاریوں پر ٹوکا اور ان حرکات کے بُرے انجام سے خبردار کیا تو انہیں نوٹس دیا گیا کہ ملک سے نکل جاؤ اور باہر جاکر نبوت کرو"۔([18])

(7)حضرت یحییٰ (یوحنا) علیہ السلام نے جب ان بداخلاقیوں کے خلاف آواز اُٹھائی جو یہودیہ کے فرمانروا ہیرودیس کے دربار میں کھلم کھلا ہو رہی تھیں، تو پہلے وہ قید کیے گئے، پھر بادشاہ نے اپنی معشوقہ کی فرمائش پر قوم کے اس صالح ترین آدمی کا سر قلم کر کے ایک تھال میں رکھ کر اس کی نذر کر دیا"۔([19])

(8)آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بنی اسرائیل کے علماء اور سردار ان قوم کا غصہ بھڑکا کیونکہ وہ انہیں ان کے گناہوں اور ان کی ریاکاریوں پر ٹوکتے تھے اور ایمان وراستی کی تلقین کرتے تھے۔ اس قصور پر ان کے خلاف جھوٹا مقدمہ تیار کیا گیا، رومی عدالت سے ان کے قتل کا فیصلہ حاصل کیا گیا اور جب رُومی حاکم پیلاطیس نے یہود سے کہا کہ آج عید کے روز میں تمہاری خاطر یسُوع اور براباؔ ڈاکو، دونوں میں سے کس کو رہا کروں، تو ان کے پورے مجمع نے بالاتفاق پکار کر کہا کہ براباؔ کو چھوڑ دے اور یسُوع کو پھانسی پر لٹکا"۔([20])

الحاصل: یہ ہے اس قوم کی داستانِ جرائم کا ایک نہایت شرمناک باب جس کی طرف قرآن کی اس آیت میں مختصرا اشارہ کیا گیا ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ جس نے اپنے فساق وفجار کو سرداری و سربراہ کاری کے لیے اور اپنے صلحا و ابرار کو جیل اور دار کے لیے پسند کیا ہو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی لعنت کے لیے پسند نہ کرتا تو آخر اور کیا کرتا۔ سلسلہ عبارت کو پیش نظر رکھنے سے یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں ایمان اور اعمال صالحہ کی تفصیلات بیان کرنا مقصود نہیں ہے کہ کن باتوں کو آدمی مانے اور کیا کیا اعمال کرے تو خدا کے ہاں اجر کا مستحق ہو۔ یہ چیزیں اپنے اپنے موقع پر تفصیل کے ساتھ آئیں گی۔ یہاں تو یہودیوں کے اس زعم باطل کی تردید مقصود ہے کہ وہ صرف یہودی گروہ کو نجات کا اجارہ دار سمجھتے تھے۔ وہ اس خیال خام میں مبتلا تھے کہ ان کے گروہ سے اللہ تعالیٰ کا کوئی خاص رشتہ ہے جو دوسرے انسانوں سے نہیں ہے لہٰذا جو ان کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے وہ خواہ اعمال اور عقائد کے لحاظ سے کیسا ہی ہو، بہر حال نجات اس کے لیے مقدر ہے، اور باقی تمام انسان جو ان کے گروہ سے باہر ہیں وہ صرف جہنم کا ایندھن بننے کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ اس غلط فہمی کو دُور کرنے کے لیے فرمایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اصل چیز تمہاری یہ گروہ بندیاں نہیں ہیں بلکہ وہاں جو کچھ اعتبار ہے، وہ ایمان اور عمل صالح کا ہے۔ جو انسان بھی یہ چیز لے کر حاضر ہوگا وہ اپنے رب سے اپنا اجر پائیگا خدا کے ہاں فیصلہ آدمی کی صفات پر ہو گا نہ کہ تمہاری مردم شماری کے رجسٹروں پر۔([21])

یوم السبت

ارشاد باری تعالی ہے:

"وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا----------------------وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِينَ"۔[22]

ترجمہ: "یاد کرو وہ وقت، جب ہم نے طور کو تم پر اُٹھا کر تم سے پختہ عہد لیا تھا اور کہا تھا کہ "جو کتاب ہم تمہیں دے رہے ہیں اسے مضبوطی کے ساتھ تھامنا اور جو احکام و ہدایات اس میں درج ہیں انہیں یاد رکھنا۔ اس ذریعے سے توقع کی جاسکتی ہے کہ تم تقویٰ کی روش پر چل سکو گے۔" اس کے بعد تم اپنے عہد سے پھر گئے۔ اس پر بھی اللہ کے فضل اور اسکی رحمت نے تمہارا ساتھ نہ چھوڑا، ورنہ تم کبھی کے تباہ ہو چکے ہوتے"۔ پھر تمہیں اپنی قوم کے ان لوگوں کا قصہ تو معلوم ہی ہے جنہوں نے سبت کا قانون توڑا تھا۔ ہم نے انہیں کہہ دیا کہ بندر بن جاؤ اور اس حال میں رہو کہ ہر طرف سے تم پر دھتکار پھٹکار پڑے۔ اسی طرح ہم نے اُن کے انجام کو اس زمانے کے لوگوں اور بعد کی آنے والی نسلوں کے لیے عبرت اور ڈرنے والوں کے لیے نصیحت بنا کر چھوڑا۔

تفہیم القرآن کی روشنی میں تشریح و توضیح

سید ابو الاعلی مودودیؒ لکھتے ہیں کہ:

سبت، یعنی ہفتے کا دن۔

بنی اسرائیل کے لیے یہ قانون مقرر کیا گیا تھا کہ وہ ہفتے کو آرام اور عبادت کے لیے مخصوص رکھیں۔ اس روز کسی قسم کا دنیوی کام، حتیٰ کہ کھانا پکانے کا کام بھی نہ خود کریں، نہ اپنے خادموں سے لیں۔ اس باب میں یہاں تک تاکیدی احکام تھے کہ جو شخص اس مقدس دن کی حُرمت کو توڑے، وہ واجب القتل ہے"۔[23]

لیکن جب بنی اسرائیل پر اخلاقی و دینی انحطاط کا دور آیا تو وہ علی الاعلان سبت کی بے حرمتی کرنے لگے حتیٰ کہ اُن کے شہروں میں کھلے بندروں سبت کے روز تنازعات ہونے لگی۔

تخلیق بندر

ان کے بندر بنائے جانے کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ بعض یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی جسمانی ہیئت بگاڑ کر بندروں کی سی کر دی گئی اور بعض اس کے یہ معنی لیتے ہیں کہ ان میں بندروں کی سی صفات پیدا ہو گئی تھیں۔ لیکن قرآن کے الفاظ اور انداز و بیان سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسخ اخلاقی نہیں بلکہ جسمانی تھا۔ میرے نزدیک قرین قیاس یہ ہے کہ ان کے دماغ بعینہ اسی حال پر رہنے دیے گئے ہوں گے جس میں وہ پہلے تھے اور جسم مسخ ہو کر بندروں کے سے ہو گئے ہوں گے"۔[24]

تاریخی افسانے اور فقہیہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَّارَأْتُمْ فِيهَا-------------- فَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ"۔([25])

ترجمہ: اور تمہیں یاد ہے وہ واقعہ جب تم نے ایک شخص کی جان لی تھی، پھر اس کے بارے میں جھگڑنے اور ایک دوسرے پر قتل کا الزام تھوپنے لگے تھے اور اللہ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ جو کچھ تم چھپاتے ہو، اسے کھول کر رکھ دے گا۔ اُس وقت ہم نے حکم دیا کہ مقتول کی لاش کو اُس کے ایک حصے سے ضرب لگاؤ۔ دیکھو اسی طرح اللہ مردوں کو زندگی بخشتا ہے اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو۔ مگر ایسی نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی آخر کار تمہارے دل سخت ہو گئے، پتھروں کی طرح سخت، بلکہ سختی میں کچھ ان سے بھی بڑھے ہوئے، کیونکہ پتھروں میں سے تو کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جس میں سے چشمے پھوٹ بہتے ہیں۔ کوئی پھٹتا ہے اور اس میں سے پانی نکل آتا ہے اور کوئی خدا کے خوف سے لرز کر گر بھی پڑتا ہے۔ اللہ تمہارے کرتوتوں سے بے خبر نہیں ہے۔ اے مسلمانو، اب کیا ان لوگوں سے تم یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ تمہاری دعوت پر ایمان لے آئیں گے؟ حالانکہ ان میں سے ایک گروہ کا شیوہ یہ رہا ہے کہ اللہ کا کلام سُنا اور پھر خوب سمجھ بُوجھ کر دانستہ اس میں تحریف کی (محمد رسول اللہ پر) ایمان لانے والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی انہیں مانتے ہیں، اور جب آپس میں ایک دوسرے سے تخلیے کی بات چیت ہوتی ہے تو کہتے ہیں بیوقوف ہو گئے ہو؟ ان لوگوں کو وہ باتیں بتاتے ہو جو اللہ نے تم پر کھولی ہیں تاکہ تمہارے رب کے پاس تمہارے مقابلے میں انہیں حجت میں پیش کریں؟ اور کیا یہ جانتے نہیں ہیں کہ جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں اللہ کو سب باتوں کی خبر ہے؟ ان میں سے ایک دوسرا گروہ اُمیوں کا ہے، جو کتاب کا تو علم رکھتے نہیں، بس اپنی بے بنیاد امیدوں اور آرزوؤں کے لیے بیٹھے ہیں اور محض وہم و گمان پر چلے جا رہے ہیں۔ پس ہلاکت اور تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے شرع کا نوشتہ لکھتے ہیں پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے آیا ہوا ہے تاکہ اس کے معاوضے میں تھوڑا سا فائدہ حاصل کر لیں۔ اُن کے ہاتھوں کا یہ لکھا بھی ان کے لیے تباہی کا سامان ہے اور ان کی یہ کمائی بھی ان کے لیے موجب ہلاکت۔ وہ کہتے ہیں کہ دوزخ کی آگ ہمیں ہر گز چھونے والی نہیں۔ الاّیہ چند روز کی سزا مل جائے تو مل جائے ان سے پوچھو، کیا تم نے اللہ کے کوئی عہد لے لیا ہے جسکی خلاف ورزی وہ نہیں کر سکتا؟ یا بات یہ ہے کہ تم اللہ کے ذمے ڈال کر ایسی باتیں کہہ دیتے ہو جن کے متعلق تمہیں علم نہیں ہے کہ اس نے ان کا ذمہ لیا ہے؟ آخر تمہیں دوزخ کی آگ کیوں نہ چھوئے گی؟ جو بھی بدی کمائے گا اور اپنی خطاکاری کے چکر میں پڑا رہے گا، وہ دوزخی ہے اور دوزخ ہی میں ہمیشہ رہے گا۔

تفہیم القرآن کی روشنی میں تشریح و توضیح

سید ابو الاعلی مودودیؒ لکھتے ہیں کہ:

یہ اُن علماء کے متعلق ارشاد ہو رہا ہے۔ ان لوگوں نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کلامِ الٰہی کے معانی کو اپنی خواہشات کے مطابق بدلا ہو، بلکہ یہ بھی کیا کہ بائیبل میں اپنی تفسیروں کو، اپنی قومی تاریخ کو، اپنے اوہام اور قیاسات کو، اپنے خیالی فلسفوں کو، اور اپنے اجتہاد سے وضع کیے ہوئے فقہی قوانین کو کلامِ الٰہی کے ساتھ خلط ملط کر دیا۔ اور یہ ساری چیزیں لوگوں کے سامنے اس حقیقت سی پیش کیں کہ گویا یہ بس اللہ ہی کی طرف سے آئی ہوئی ہیں۔ ہر تاریخی افسانہ، ہر مفسر کی تاویل، ہر متکلم کا الٰہیاتی عقیدہ، اور ہر فقیہ کا قانونی اجتہاد، جس نے مجموعہ کتب مقدسہ (بائیبل) میں جگہ پالی، اللہ کا قوم بن کر رہ گیا۔ اُس پر ایمان لانا فرض ہو گیا اور اس سے پھرنے کر معنی دین سے پھر جانے کے ہو گئے۔

غلط فہمی

یہ یہودیوں کی عام غلط فہمی کا بیان ہے، جس میں ان کے عامی اور عالم سب مبتلا تھے، وہ سمجھتے تھے کہ ہم خواہ کچھ کریں، بہر حال چونکہ ہم یہودی ہیں، لہٰذا جہنم کی آگ ہم پر حرام ہے اور بالفرض اگر ہم کو سزا دی بھی گئی تو بس چند روز کے لیے وہاں بھیجے جائیں گے اور پھر سیدھے جنت کی طرف پلٹا دیے جائیں گے "۔([26])

یہود کا کتاب اللہ کے بعض حصوں پر ایمان اور بعض سے کفر

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ -------فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ"۔([27])

ترجمہ: یاد کرو، اسرائیل کی اولاد سے ہم نے پختی عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، ماں باپ کے ساتھ، رشتہ داروں کے ساتھ، یتیموں کے ساتھ اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا، لوگوں سے بھلی بات کہنا، نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا، مگر تھوڑے آدمیوں کے سوا تم سن اس عہد سے پھر گئے اور اب تک پھرے ہوئے ہو، پھر ذرا یاد کرو۔ ہم نے تم سے مضبوط عہد لیا تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کا خون نہ بہانا اور نہ ایک دوسرے کو گھر سے بے گھر کرنا۔ تم نے اس کا اقرار کیا تھا، تم خود اس پر گواہ ہو مگر آج وہی تم ہو کہ اپنے بھائی بندوں کو قتل کرتے ہو۔ اپنی برادری کے کچھ لوگوں کو بے خانماں کر دیتے ہو، ظلم و زیادتی کے ساتھ ان کے خلاف جتھے بندیاں کرتے ہو، اور جب وہ لڑائی میں پکڑے ہوئے تمہارے پاس آتے ہیں تو ان کی رہائی کے لیے فدیہ کا لین دین کرتے

ہو۔ حالانکہ انہیں ان کے گھروں سے نکالنا ہی سرے دے تم پر حرام تھا۔ تو کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصے کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں، اُن کی سا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیے جائیں؟ اللہ ان حرکات سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت بیچ کر دنیا کی زندگی خرید لی ہے، لہٰذا نہ انکی سزا میں کوئی تخفیف ہو گی اور نہ انہیں کوئی مدد پہنچ سکے گی۔

تفہیم القرآن کی روشنی میں تشریح و توضیح

سید ابو الاعلی مودودیؒ لکھتے ہیں کہ:

نبی کریم ﷺ کی آمد سے قبل مدینے کی اطراف کے یہودی قبائل نے اپنے ہمسایہ عرب قبیلوں (اوس اور خزرج) سے حلیفانہ تعلقات قائم کر رکھے تھے۔ جب ایک عرب قبیلہ دوسرے قبیلے سے بر سر جنگ ہوتا، تو دونوں کے حلیف یہودی قبیلے بھی اپنے اپنے حلیف کا ساتھ دیتے اور ایک دوسرے کے مقابلے میں نبرد آزما ہو جاتے تھے۔ یہ فعل صریح طور پر کتاب اللہ کے خلاف تھا اور وہ جانتے بوجھتے کتاب اللہ کی خلاف ورزی کر رہے تھے۔ مگر لڑائی کے بعد جب ایک یہودی قبیلے کے اسیر ان جنگ دوسرے یہودی قبیلے کے ہاتھ آتے تھے تو غالب قبیلہ فدیہ لے کر انہیں چھوڑتا اور مغلوب قبیلہ فدیہ دے کر انہیں چھڑاتا تھا، اور اس فدیے کے لین دین کو جائز ٹھہرانے کے لیے کتاب اللہ سے استدلال کیا جاتا تھا۔ گویا وہ کتاب اللہ کی اس اجازت کو تو سر آنکھوں پر رکھتے تھے کہ اسیر ان جنگ کو فدیہ لے کر چھوڑا جائے مگر اس حکم کو ٹھکرا دیتے تھے کہ آپس میں جنگ ہی نہ کی جائے"۔([28])

یہود و نصاریٰ کا ایمان پر حسد

ارشاد باری تعالی ہے:

"وَدَّ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ------------------------إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ"۔([29])

ترجمہ:

اہل کتاب میں سے اکثر لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح تمہیں ایمان سے پھیر کر پھر کفر کی طرف پلٹا لے جائیں۔ اگرچہ حق ان پر ظاہر ہو چکا ہے مگر اپنے نفس کے حسد کی بنا پر تمہارے لیے ان کی یہ خواہش ہے۔ اس کے جواب میں تم عفو و درگزر سے کام لو یہاں تک کہ اللہ خود ہی اپنا فیصلہ نافذ کر دے۔ مطمئن رہو کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

تفہیم القرآن کی روشنی میں تشریح و توضیح

سید ابو الاعلی مودودیؒ لکھتے ہیں کہ:

یہودی موشگافیاں کر کر کے طرح طرح کے سوالات مسلمانوں کے سامنے پیش کرتے تھے اور انہیں اُکساتے تھے کہ اپنے نبی سے یہ پوچھو اور یہ پوچھو۔ اس پر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو متنبہ فرما رہا ہے کہ اس معاملے میں یہودیوں کی روش اختیار کرنے سے بچو۔ اسی چیز پر نبی ﷺ خود بھی مسلمانوں کو بار بار متنبہ فرمایا کرتے تھے کہ قیل و قال سے اور بال کی کھال نکالنے سے پچھلی امتیں تباہ ہو چکی ہیں، تم اس سے پرہیز کرو۔ جن سوالات کو اللہ اور اس کے رسول نے نہیں چھیڑا، ان کی کھوج میں نہ لگو۔ بس جو حکم تمہیں دیا جاتا ہے اس کی پیروی کرو اور جن امور سے منع کیا جاتا ہے، ان سے رُک جاؤ دوراز کار باتیں چھوڑ کر کام کی باتوں پر توجہ صرف کرو۔ یعنی ان کے عناد اور حسد کو دیکھ کر مشتعل نہ ہو، اپنا توازن نہ کھو بیٹھو، ان سے بحثیں اور مناظرے کرنے اور جھگڑنے میں اپنے قیمتی وقت اور اپنے وقار کو ضائع نہ کرو، صبر کے ساتھ دیکھتے رہو کہ اللہ کیا کرتا ہے۔ فضولیات میں اپنی قوتیں صرف کرنے کی بجائے خدا کے ذکر اور بھلائی کے کاموں میں انہیں صرف کرو کہ یہ خدا کے ہاں کام آنے والی چیز ہے"۔([30])

فصل نمبر12:

یہود و نصاریٰ کا دخول جنت کا دعویٰ

ارشاد باری تعالی ہے:

"وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَى تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ"۔([31])

ترجمہ:

ان کا کہنا ہے کہ کوئی شخص جنت میں نہ جائے گا جب تک کہ وہ یہودی نہ ہو یا (عیسائیوں کے خیال کے مطابق) عیسائی نہ ہو، یہ ان کی تمنائیں ہیں۔ ان سے کہو اپنی دلیل پیش کرو، اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔

تفہیم القرآن کی روشنی میں تشریح و توضیح

سید ابو الاعلی مودودیؒ لکھتے ہیں کہ:

یعنی دراصل یہ ہیں تو محض ان کے دل کی خواہشیں اور آرزوئیں، مگر وہ انہیں بیان اس طرح کر رہے ہیں کہ گویا فی الواقع یہی کچھ ہونے والا ہے۔([32])

یہود و نصاریٰ کا دین

ارشاد باری تعالی ہے کہ:

"وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَى-------------بَلْ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلٌّ لَهُ قَانِتُونَ"۔(33)

ترجمہ: یہودی کہتے ہیں: عیسائیوں کے پاس کچھ نہیں۔ عیسائی کہتے ہیں: یہودیوں کے پاس کچھ نہیں۔ حالانکہ دونوں ہی کتاب پڑھتے ہیں۔ اور اسی قسم کے دعوے ان لوگوں کے بھی ہیں جن کے پاس کتاب کا علم نہیں ہے (یعنی مشرکین عرب) یہ اختلافات جن میں یہ لوگ مبتلا ہیں، ان کا فیصلہ اللہ قیامت کے روز کر دے گا۔

اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ کے معبدوں میں اس کے نام کی یاد سے روکے اور ان کی ویرانی کے درپے ہو؟ ایسے لوگ اس قابل ہیں کہ ان عبادت گاہوں میں قدم نہ رکھیں اور اگر وہاں جائیں بھی تو ڈرتے ہوئے جائیں۔ ان کے لیے تو دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں عذابِ عظیم۔

مشرق و مغرب سب اللہ کے ہیں۔ جس طرف بھی تم رخ کرو گے، اسی طرف اللہ کا رخ ہے۔ اللہ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ ان کا قول ہے کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا ہے۔ اللہ پاک ہے ان باتوں سے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ زمین اور آسمانوں کی تمام موجودات اس کی ملک ہیں۔ سب کے سب اس کے مطیع فرمان ہیں۔

تفہیم القرآن کی روشنی میں تشریح و توضیح

سید ابو الاعلی مودودیؒ لکھتے ہیں کہ:

یعنی بجائے اس کے کہ عبادت گاہیں اس قسم کے ظالم لوگوں کے قبضہ واقتدار میں ہوں اور یہ ان کے متولی ہوں، ہونا یہ چاہیے کہ خدا پرست اور خدا ترس لوگوں کے ہاتھ میں اقتدار ہو اور وہی عبادت گاہوں کے متولی رہیں، تاکہ یہ شریر لوگ اگر وہاں جائیں بھی تو انہیں خوف ہو کہ شرارت کریں گے تو سزا پائیں گے۔ یہاں ایک لطیف اشارہ مکہ کے اس ظلم کی طرف بھی ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کے ان لوگوں کو جو اسلام لا چکے تھے، بیت اللہ میں عبادت کرنے سے روک دیا تھا۔(34)

یہود و نصاریٰ اہل اسلام سے ناخوش

"وَلَنْ تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُودُ -----------------------مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ"۔(35)

ترجمہ: یہودی اور عیسائی تم سے ہر گز راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے طریقے پر نہ چلنے لگو۔ صاف کہہ دو کہ راستہ بس وہی ہے جو اللہ نے بتایا ہے۔ ورنہ اگر اس علم کے بعد، جو تمہارے پاس آچکا ہے، تم نے انکی خواہشات کی پیروی کی، تو اللہ کی پکڑ سے بچانے والا کوئی دوست اور مددگار تمہارے لیے نہیں ہے۔

تفہیم القرآن کی روشنی میں تشریح و توضیح

سید ابو الاعلی مودودیؒ لکھتے ہیں کہ:

مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کی ناراضی کا سبب یہ تو ہے کہ وہ سچے طالبِ حق ہیں اور تم نے ان کے سامنے حق کو واضح کرنے میں کچھ کمی کی ہے۔ وہ تو اس؛ لیے تم سے ناراض ہیں کہ تم نے اللہ کی آیات اور اس دین کے ساتھ وہ منافقانہ اور بازی گرانہ طرزِ عمل کیوں نہ اختیار کیا، خدا پرستی کے پردے میں خود پرستی کیوں نہ کی۔ دین کے اصولوں و احکام کو اپنے تخیلات یا اپنی خواہشات کے مطابق ڈھالنے میں اس دیدہ دلیری سے کیوں نہ کام لیا، وہ ریاکاری اور گندم نمائی وجو فروشی کیوں نہ کی، جو خود ان کا اپنا شیوہ ہے۔ لہٰذا انہیں راضی کرنے کی فکر چھوڑ دو۔ کیونکہ جب تک تم ان کے سے رنگ ڈھنگ نہ اختیار کر لو، دین کے ساتھ وہی معاملہ نہ کرنے لگو۔ جو خود یہ کرتے ہیں، اور عقائد و اعمال کی انہیں گمرائیوں میں مبتلا نہ ہو جاؤ جن میں یہ مبتلا ہیں اس وقت تک ان کا تم سے راضی ہونا محال ہے۔(36)

یہودیت اور نصرانیت طریق ابراہیمی سے انحراف

ارشاد باری تعالی ہے:

"وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ"۔(37)

ترجمہ: یہودی کہتے ہیں: یہودی ہو، تو راہ راست پاؤ گے۔ عیسائی کہتے ہیں عیسائی ہو، تو ہدایت ملے گی۔ ان سے کہو: "بلکہ سب کو چھوڑ کر ابراہیمؑ کا طریقہ۔ اور ابراہیمؑ مشرکوں میں سے نہ تھا۔

تفہیم القرآن کی روشنی میں تشریح و توضیح

سید ابو الاعلی مودودیؒ لکھتے ہیں کہ: اس جواب کی لطافت سمجھنے کے لیے دو باتیں نگاہ میں رکھیے۔

ایک یہ یہودیت اور عیسائیت دونوں بعد کی پیداوار ہیں۔ "یہودیت" اپنے نام اور اپنی مذہبی خصوصیات اور رسوم و قواعد کے ساتھ تیسری چوتھی صدی قبل مسیح میں پیدا ہوئی۔ اور "عیسائیت" جن عقائد اور مخصوص مذہبی تصورات کے مجموعے کا نام ہے وہ تو حضرت مسیحؑ کے بھی ایک مدت بعد وجود میں آئے ہیں۔ اب یہ سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ اگر آدمی کے سربراہ ہدایت ہونے کا مدار یہودیت یا عیسائیت اختیار کرنے پر ہی ہے تو حضرت ابراہیمؑ اور دوسرے انبیاء اور نیک لوگ، جو ان مذہبوں کی پیدائش سے صدیوں پہلے پیدا ہوئے تھے اور جن کی خود یہودی اور عیسائی بھی ہدایت یافتہ مانتے ہیں، وہ آخر کس چیز سے ہدایت پاتے تھے؟ ظاہر ہے کہ وہ "یہودیت" اور "عیسائیت: نہ تھی لہٰذا یہ بات آپ سے آپ واضح ہوگئی کہ انسان کے ہدایت یافتہ ہونے کا مدار

ان مذہبی خصوصیات پر نہیں ہے جن کی وجہ سے یہ یہودی اور عیسائی وغیرہ مختلف فرقے بنے ہیں۔ بلکہ در اصل اس کا مدار اس عالمگیر صراط مستقیم کے اختیا کرنے پر ہے، جس سے ہر زمانے میں انسان ہدایت پاتے رہے ہیں۔

یہ خوس یہود و نصاریٰ کی اپنی مقدس کتابیں اس بات پر گواہ ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ ایک اللہ کے سوا کسی دوسرے کی پرستش، تقدیس، بندگی اور اطاعت کے قائل نہ تھے اور ان کا مشن ہی یہ تھا کہ خدائی کی صفات وخصوصیات میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ ٹھہرایا جائے لہٰذا یہ بالکل ظاہر ہے کہ یہودیت اور نصرانیت دونوں اس راہ راست سے منحرف ہوگئی ہیں جس پر حضرت ابراہیمؑ چلتے تھے۔کیونکہ ان دوون میں شرک کی آمیزش ہوگئی ہے"۔(38)

بنی اسرائیل کی امامت اور بیت المقدس کی تبدیلی

ارشاد باری تعالی ہے:

"قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ---------وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ"۔(39)

ترجمہ: اے نبی ﷺ! یہ تمہارے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں۔لو ہم اسی قبلے کی طرف تمہیں پھیرے دیتے ہیں جسے تم پسند کرتے ہو۔ مسجد حرام کی طرف رخ پھیر دو۔اب جہاں کہیں تم ہو،اسی کی طرف منہ کرکے نماز پڑھا کرو۔ یہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی تھی، خوب جانتے ہیں کہ (تحویل قبلہ کا) یہ حکم انکے رب ہی کی طرف سے ہے اور برحق ہے مگر اس کے باوجود جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس سے غافل نہیں ہے، تم ان اہل کتاب کے پاس خواہ کوئی نشانی لے آؤ، ممکن نہیں کہ یہ تمہارے قبلے کی پیروی کرنے لگیں۔اور نہ تمہارے لیے یہ ممکن ہے کہ ان کے قبلے کی پیروی کرو،اور ان میں سے کوئی گروہ بھی دوسرے کے قبلے کی پیروی کے لیے تیار نہیں ہے، اور اگر تم نے اس علم کے بعد، جو تمہارے پاس آچکا ہے، ان کی خواہشات کی پیروی کی، تو یقینا تمہارا شمار ظالموں میں ہو گا۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس مقام کو (جسے قبلہ بنایا گیا ہے) ایسا پہچانتے ہیں، جیسا اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔ مگر ان میں سے ایک گروہ جانتے جوجھتے حق کو چھپا رہا ہے۔

تفہیم القرآن کی روشنی میں تشریح وتوضیح

سید ابو الاعلی مودودیؒ لکھتے ہیں کہ:

خیال رہے کہ بیت المقدس مدینے سے عین شمال میں ہے اور کعبہ بالکل جنوب میں۔ نماز باجماعت پڑھتے ہوئے قبلہ تبدیل کرنے میں لامحالہ امام کو چل کر مقتدیوں کے پیچھے آنا پڑا ہو گا بلکہ کچھ نہ کچھ انہیں بھی چل کر اپنی صفیں درست کرنی پڑی ہوں گی۔ چنانچہ بعض روایات میں یہی تفصیل مذکور بھی ہے۔

اور یہ جو فرمایا کہ "ہم تمہارے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں" اور یہ کہ ہم اسی قبلے کی طرف تمہیں پھیرے دیتے ہیں، جسے تم پسند کرتے ہو۔" اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تحویل قبلہ کا حکم آنے سے پہلے نبی ﷺ اس کے منتظر تھے۔ آپ خود یہ محسوس فرما رہے تھے کہ بنی اسرائیل کی امامت کا دور ختم ہو چکا ہے اور اس کے ساتھ بیت المقدس کی مرکزیت بھی رخصت ہوئی۔ ان اصل مرکز ابراہیمی کی طرف رخ کرنے کا وقت آ گیا ہے"۔(40)

اختلافات اور لڑائیوں کے ہنگامے

ارشاد باری تعالی ہے:

"تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ--------------وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ"۔(41)

ترجمہ: یہ رسول (جو ہماری طرف سے انسانوں کی ہدایت پر مامور ہوئے) ہم نے ان کو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مرتبے عطا کیے۔ ان میں کوئی ایسا تھا جس سے خدا خود ہم کلام ہوا، کسی کو اس نے دوسری حیثیتوں سے بلند درجے دیئے، اور آخر میں عیسیٰؑ ابن مریم کو روشن نشانیاں عطا کیں اور روح پاک سے اس کی مدد کی اگر اللہ چاہتا تو ممکن نہ تھا کہ ان رسولوں کے بعد جو لوگ روشن نشانیاں دیکھ چکے تھے وہ آپس میں لڑتے، مگر (اللہ کی مشیت یہ نہ تھی کہ وہ لوگوں کو جبرا اختلاف سے روکے، اس وجہ سے) انہوں نے باہم اختلاف کیا، پھر کوئی ایمان لایا اور کیس نے کفر کی راہ اختیار کی، ہاں اللہ چاہتا تو وہ ہرگز نہ لڑتے، مگر اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

تفہیم القرآن کی روشنی میں تشریح و توضیح

سید ابو الاعلی مودودیؒ لکھتے ہیں کہ:

مطلب یہ ہے کہ رسولوں کے ذریعے علم حاصل ہو جانے کے بعد جو اختلافات لوگوں کے درمیان رونما ہوئے اور اختلافات سے بڑھ کر لڑائیوں تک جو نوبتیں پہنچیں، تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ معاذ اللہ خدا بے بس تھا اور اس کے پاس اختلافات اور لڑائیوں کے روکنے کا زور نہ تھا۔ نہیں۔ اگر وہ چاہتا، تو کیسی کی مجال نہ تھی کہ انبیاء کی دعوت یہ سر تابی کر سکتا اور کفر و بغاوت کی راہ چل سکتا اور اس کی زمین میں فساد برپا کر سکتا۔ مگر اس کی مشیت یہ تھی ہی نہیں کہ انسانوں سے ارادہ و اختیار کی آزادی چھین لے اور انہیں ایک خاص روش پر چلنے کے لیے مجبور کر دے۔ اس نے امتحان کی غرض سے انہیں زمین پر پیدا کیا تھا، اس لیے اس نے ان کو اعتقاد و عمل کی راہوں میں انتخاب کی آزادی عطا کی اور انبیاء کو لوگوں پر کوتوال بنا کر نہیں بھیجا کہ زبردستی انہیں ایمان و اطاعت کی طرف کھینچ لائیں، بلکہ اس لیے بھیجا کہ دلائل اور بینات سے لوگوں کو راستی کی طرف بلانے کی کوشش کریں پس جس قدر

اختلافات اور لڑائیوں کے ہنگامے ہوئے، وہ سب اس وجہ سے ہوئے کہ اللہ نے لوگوں کو ارادے کی جو آزادی عطا کی تھی، اس سے کام لے کر لوگوں نے یہ مختلف راہیں اختیار کر لیں، نہ اس وجہ سے کہ اللہ ان کو راستی پر چلانا چاہتا تھا، مگر معاذ اللہ اسے کامیابی نہ ہوئی"۔([42])

خلاصہ

یہ تحقیقی مطالعہ سورۃ البقرۃ میں مذکور یہود و نصاریٰ سے متعلق قرآنی بیانات کا مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تفسیری کاوش تفہیم القرآن کی روشنی میں تجزیاتی و تنقیدی جائزہ پیش کرتا ہے۔ اس تحقیق کا بنیادی مقصد ان آیات کی فکری، اعتقادی اور تاریخی تعبیر کو سمجھنا ہے جن میں اہلِ کتاب، بالخصوص یہود و نصاریٰ، کے عقائد، کردار، انحرافات اور قرآنی تنقید کا ذکر ہے۔ اس تحقیق میں مولانا مودودیؒ کے اسلوبِ تفسیر، تعبیرات اور دینی و سیاسی پس منظر کا بھی جائزہ لیا گیا ہے تاکہ یہ معلوم کیا جاسکے کہ وہ ان آیات کی تشریح میں کس حد تک مفسر، مفکر، اور ایک اسلامی تحریک کے بانی کی حیثیت سے اپنا نقطۂ نظر پیش کرتے ہیں۔ سورۃ البقرۃ کی آیات 40 تا 141 کو اس تجزیے کا مرکز بنایا گیا ہے کیونکہ ان میں اہلِ کتاب سے متعلق کئی بنیادی مباحث موجود ہیں۔ تحقیق سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مولانا مودودیؒ کی تفسیر صرف علمی و روایتی نہیں بلکہ اس میں ایک فکری، نظریاتی اور انقلابی روح بھی کارفرما ہے۔ وہ یہود و نصاریٰ کی تاریخی گمراہیوں، کتاب اللہ میں تحریف، دینی منافقت اور دنیا پرستی پر سخت گرفت کرتے ہیں اور اس کو آج کے دور کی استعماریت، سیکولرازم اور صہیونیت سے جوڑتے ہیں۔ ان کا اسلوب عام فہم مگر فکری گہرائی لیے ہوتا ہے جو جدید ذہن کو مخاطب کرتا ہے۔ یہ تحقیق تفسیر القرآن کے ساتھ ساتھ بین المذاہب مطالعے، فکری تحریکات، اور جدید اسلامی فہم میں مولانا مودودیؒ کی خدمات کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ اس کا مقصد صرف ماضی کے تذکرے کو دہرانا نہیں بلکہ موجودہ دور میں اہلِ کتاب کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات، نظریاتی چیلنجز، اور فکری مکالمے کے تناظر میں قرآن فہمی کو آگے بڑھانا ہے۔

حوالہ جات

[1]۔ امتیاز احمد، ڈاکٹر، مولانا مودودی کی نثر نگاری، ادارہ معارف اسلامی، لاہور، ستمبر 2007ء، ص 41

[2]۔ آباد شاہ پوری، تاریخ جماعت اسلامی، ادارہ معارف اسلامی منصورہ، ج2، 71۔72

[3]۔ ڈاکٹر خالد علوی، سید مودودی بحیثیت مفسر، الفضیل ناشران و تاجران کتب لاہور، ص 31

[4]۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، تفہیم القرآن، ضمیمہ الاحزاب، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، 1956ء، ج4، ص162

[5]۔ البقرہ، 2:51-52

[6]۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، تفہیم القرآن، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، ج1، ص75-76

[7]۔ خروج باب 24 آیت 11،10

[8]۔ خروج باب 33، آیت 23،18

[9]۔ گنتی، باب 25، آیت 8،1

[10]۔ القرآن، 2:58-59

[11]۔ مودودی، تفہیم القرآن، ج1، ص78

[12]۔ القرآن، 2:61-62

[13]۔ تواریخ، باب 17، آیت 7_10

[14]۔ سلاطین، باب 19، آیت 1-10

[15]۔ سلاطین، باب 22، آیت 26-27

[16]۔ تواریخ، باب 24، آیت 12

[17]۔ یرمیاۃ، باب 15، آیت 10-باب 18-آیت 20-23-باب 20-آیت 1-18-باب 36 تا باب 40

[18]۔ عاموس، باب 7، آیت 10-13

[19]۔ مرقس، باب 2، آیت 29-17

[20]۔ متی، باب 27، آیت 20 تا 26)

[21]۔ مودودی، تفہیم القرآن، ج1، ص80-82

[22]۔ القرآن، 2:63-66

[23]۔ خروج، باب 13، آیت 12-17

24. مودودی، تفہیم القرآن، ج1، ص83-84

25۔ القرآن، 2:72-81

26۔ مودودی، تفہیم القرآن، ج1، ص89-90

27۔ القرآن، 2:83-86

28۔ مودودی، تفہیم القرآن، ج1، ص91-92

29۔ القرآن، 2:109

30۔ مودودی، تفہیم القرآن، ج1، ص102-103

31۔ القرآن، 2:111

32۔ مودودی، تفہیم القرآن، ج1، ص103

33۔ القرآن، 2:113-116

34۔ مودودی، تفہیم القرآن، ج1، ص104

35۔ القرآن، 2:120

36۔ مودودی، تفہیم القرآن، ج1، ص107

37۔ القرآن، ج2:135

38۔ مودودی، تفہیم القرآن، ج1، ص115

39۔ القرآن، 2:144-146

40۔ مودودی، تفہیم القرآن، ج1، ص121

41۔ القرآن، 2:253

42۔ مودودی، تفہیم القرآن، ج1، ص192-193